اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا○ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا○

(الاحزاب:42-41)

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي مَقَامٍ آخَرَ

وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (الاحزاب:3)

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي مَقَامٍ آخَرَ

وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق:3)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

سنتِ الٰہی اور قدرتِ الٰہی:

اللہ رب العزت نے اس کائنات کو اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا فرمایا اور اس کے چلنے کے کچھ اصول متعین فرما دیے۔جن اصول کے مطابق یہ کائنات چل رہی ہے۔ہم ان کو قوانینِ فطرت کہتے ہیں، Physical Laws کہتے ہیں۔عربی زبان میں اس کو اللہ رب العزت کی سنت کہتے ہیں۔یہ کائنات ان اصولوں کے تحت چلتی رہتی ہے۔لیکن جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو ان اصولوں سے ہٹ کر اپنی مرضی اور منشا کے مطابق چیزوں کو استعمال فرماتے ہیں،اس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کہتے ہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک آدمی نے فیکٹری لگائی اور اس کو چلانے کا ایک نظام ترتیب دے دیا،فیکٹری چل رہی ہے،روٹین کے مطابق نظام کام کر رہا ہے،اب وہ نظام بنا کر مجبور نہیں ہو گیا کہ کچھ کرنا بھی چاہے تو نہیں کرسکتا۔وہ مالک ہے جب چاہے نظام کو اپنی مرضی اور منشا کے مطابق بدل سکتا ہے۔تو گویا ایک اللہ رب العزت کی سنت ہوئی،یہ وہ قانون ہے جس میں عام دستور کے مطابق دنیا چل

رہی ہے۔اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (الاحزاب:62)

عام حالات میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت بدلتی نہیں ہے۔مثال کے طور پر آگ جلاتی ہے، پانی سطح کو برابر کرتا ہے۔ یہ اللہ رب العزت کے اصول ہیں، لیکن اگر اللہ رب العزت چاہیں تو ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اور آگ نے انہیں جلایا نہیں اور ایسا بھی ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم دریا کے کنارے پہنچ گئی اور پانی نے اپنی سطح برابر کرنے کی بجائے ان کو راستہ دے دیا۔تو یہ اللہ رب العزت کی قدرت ہے، وہ مالک الملک ہے، اس نے اس کائنات کو پیدا کیا۔اس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز ہے، وہ جیسے چاہے چیزوں کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ یہ اللہ کی قدر ہے۔

اسباب اور مسبب الاسباب پر نظر رکھنے والے:

اب یہاں سے مومن کی زندگی اور کافر کی زندگی میں فرق ہے۔کافر کائنات کو ان کے اصولوں کے مطابق چلتا ہوا دیکھ کر یہی سمجھتا ہے کہ بس انہی اصولوں کے مطابق ہی کائنات نے چلنا ہے جبکہ مومن کی نظر اللہ رب العزت کی ذات پر ہوتی ہے تو وہ جانتا ہے کہ اللہ رب العزت قادرِ مطلق ہیں، ہوگا وہی جو میرے اللہ رب العزت کی مرضی اور منشا ہوگی۔تو مومن کی نظر مسبب الاسباب پر ہوتی ہے اور کافر کی نظر فقط اسباب پر ہوتی ہے۔اس لیے کافر دنیا میں دھوکہ کھا جاتا ہے اور مومن ہمیشہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت اللہ رب العزت نے اپنے انبیا پر کھولی اور انہوں نے آ کر لوگوں کو یہ بات سمجھائی کہ لوگو! جو تمہاری ظاہر کی نظر دیکھ رہی ہے ہمیشہ ایسا نہیں ہوسکتا، جب اللہ رب العزت چاہیں گے تمہاری

نظر تمہیں دھوکہ دے جائے گی۔ تمہارے سینکڑوں سالوں کے تجربات دھرے کے دھرے رہ جائیں گے، اللہ کی منشا پوری ہو جائے گی۔ اب اس کی ایک مثال سمجھیے۔

جب کوئی آدمی ایمرجنسی کی حالت میں ہسپتال لایا جاتا ہے تو ڈاکٹر اس کو ایک نظر دیکھ لیتے ہیں اور اس کی بیماری کی چند وجوہات لکھ دیتے ہیں اس کو Differntial Reasons (امکانی وجوہات) کہتے ہیں۔ اس مریض کی یہ حالت ہے تو یہ بھی ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے، تو جتنے امکان ہو سکتے ہیں ان کو Differential Reasons کہتے ہیں۔ پھر اس کے بعد اس کے ٹیسٹ لیے جاتے ہیں، اس کا بلڈ ٹیسٹ لیا جاتا ہے اور بھی ٹیسٹ لیے جاتے ہیں تو ٹیسٹ کے بعد متعین ہو جاتا ہے کہ بیماری کی یہ وجہ تھی۔ اس کو Definite Reason کہتے ہیں۔ جو اسباب پر نظر رکھ کر زندگی گزارنے والے ہیں وہ Differential Reasons پر زندگی گزارتے پھر رہے ہیں اور مومن چونکہ اللہ رب العزت کے حکموں کو سامنے رکھ کر چلتا ہے، اس کے سامنے ہمیشہ Definite Reason ہوتی ہے۔

مثال سے بات سمجھ لیجیے کہ عام دستور کے مطابق جب آسمان پر بادل آ جائیں تو یہ بارش کی علامت ہوتی ہے کہ پہلے بادل آئے اور پھر بارش ہوئی لیکن یہ Differential Reasons ہیں۔ ہمیشہ تو ایسے نہیں ہوتا کبھی پورا مہینہ بادل آتے ہیں اور بارش کی بوند نہیں برستی ان کو Diffirential Reasons کہیں گے۔ ایک Definite Reason ہے بارش کے برسنے کی۔ قرآن نے اس بات کو کھولا کہ جب بھی کوئی قوم استغفار کرتی ہے اللہ کے سامنے تو ان کے استغفار کو قبول کر کے اللہ رب العزت بارشوں کو برسا دیتے ہیں۔

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا○ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا○ (نوح:10-11)

اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب بارش نہ ہو تو سارے لوگ ایک میدان میں جمع ہوں اور اللہ کے سامنے اپنے گناہوں سے توبہ کریں تو اللہ ان کی توبہ کو قبول کر کے بارش کو نازل فرمادیتے ہیں یہ Definite Reason ہے بارش کے برسنے کی۔

اسباب برتن کی مانند ہیں:

اسباب کی حیثیت تو ایسے ہے جیسے کوئی برتن ہوتا ہے، اس میں نفع ڈالنا یا نقصان ڈالنا اس کے مالک کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اب آپ کے پاس ایک گلاس ہے چاہیں تو اس میں پانی ڈالیں، چاہیں تو اس میں دودھ ڈالیں۔ بالکل! یہ تمام دنیا اسباب پر چل رہی ہے اور ان اسباب میں نفع ڈال دینا یا نقصان ڈال دینا یہ میرے مولا کی منشا کے مطابق ہوتا ہے۔

ذلت کے نقشوں میں عزت کا فیصلہ:

جو بندہ اپنے رب کو راضی کرتا ہے اللہ رب العزت اس کو ذلت کے نقشوں میں بھی عزت عطا فرمادیتے ہیں جیسے حضرت یوسفؑ کو اللہ تعالیٰ نے غلامی کے نقشے سے نکال کر بادشاہی عطا فرمادی۔

عزت کے نقشوں میں ذلت کا فیصلہ:

اور جب کوئی بندہ اللہ کے حکموں کے خلاف زندگی گزارتا ہے اللہ رب العزت اس کے لیے عزت کے نقشوں میں سے ذلت نکال دیتے ہیں۔ قارون کو کیا عزت ملی تھی! اپنے وقت کا کتنا بڑا بزنس مین تھا؟ کہا کرتا تھا کہ یہ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ جو میرے پاس علم ہے، ٹیکنالوجی ہے، جتنا میرا تجربہ ہے۔ میں بزنس مین ہوں، میں اچھی ڈیل کرتا ہوں، تب پیسے آتے ہیں۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ (القصص:79)

قوم کے سامنے بڑے زیب و زینت سے نکلتا تھا۔لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی تھیں کہتے تھے۔

یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ (القصص:79) اے کاش! ہمارے پاس بھی اتنا ہوتا جتنا قارون کو ملا۔

اپنے وقت میں وہ رول ماڈل تھا لوگوں کے لیے۔اس کی عزت کے نقشوں میں اللہ نے اس کے لیے ذلت ایسے نکالی

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ (القصص:81) اس کو اور اس کے خزانوں کو ہر چیز سمیت زمین میں دھنسا دیا۔

دودھ سے صحت بھی، موت بھی:

آپ غور کریں! ایک بندہ دودھ پیتا ہے تو اس کی صحت اچھی ہوتی ہے اور وہ قوی ہو جاتا ہے۔اور ایک بندہ دودھ پیتا ہے اور فوڈ پوائزننگ ہونے کے بعد دودھ پینے کی وجہ سے اس کی موت آجاتی ہے۔جب اللہ چاہیں دودھ زندگی بخشتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ چاہیں، یہ دودھ انسان کو موت دے دیتا ہے۔یہ بات اگر کھل جائے تو زندگی آسان ہو جائے۔

شفا اللہ کے حکم سے ملتی ہے:

حضرت موسیٰؑ بیمار ہوئے، کوہِ طور پر آئے اور پوچھا: پروردگارِ عالم! طبیعت ناساز ہے۔حکم ہوا: فلاں درخت کے پتے کھالو۔استعمال کیے تو ٹھیک ہو گئے۔کچھ عرصہ بعد پھر اسی طرح بیماری کے آثار ظاہر ہوئے تو حضرت موسیٰؑ تشریف لے گئے اور درخت کے پتے بھی کھائے اور اثر بھی نہیں ہوا۔اب کوہ

طور پر گئے کہ ربِ کریم! آپ ہی کے حکم سے میں نے پتے کھائے تو شفا ملی تھی اب پتے بھی استعمال کیے ہیں مگر طبیعت ٹھیک نہیں ہو رہی۔ فرمایا: پیارے کلیم! ان پتوں میں شفا نہیں تھی ہم نے ان پتوں میں آپ کے لیے شفا رکھ دی۔ تھی تو یہ اللہ رب العزت کی مرضی اور منشا ہے کہ وہ جب چاہتے ہیں چیزوں میں انسانوں کے لیے فائدہ رکھ دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں انسانوں کے لیے نقصان رکھ دیتے ہیں۔

انبیا کا راستہ عزت کا راستہ:

انبیائے کرام نے انسانوں کو Definite (پکے) نتائج حاصل کرنے والی زندگی گزارنا سکھائی۔ یہ Diffrential Reasons (امکانی باتیں) نہیں ہیں پکی باتیں ہیں۔ جس نے انبیائے کرام کے راستے پر چل کر زندگی گزاری اس کو یقیناً اللہ کی جانب سے عزت مل کر رہتی ہے، اس میں شک والی بات نہیں ہے۔ اس کو بندے کا ایمان اور یقین کہتے ہیں۔ سو فیصد بندے کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ میں اب ہر حال میں اللہ کے حکم پر عمل کروں گا۔ میری آنکھ جو بھی دیکھتی پھرے اللہ رب العزت مجھے عزتیں عطا فرمائیں گے۔ اگر میں اللہ کے حکم سے ہٹ کر زندگی گزاروں گا تو میری نظر کتنے ہی کامیابی کے نقشے دیکھتی پھرے، میرے لیے اللہ بالآخر ذلت نکال دے گا۔

حضرت علیؓ کا یقین:

صحابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے یقین کو اتنا مضبوط کر لیا تھا کہ آنکھ کے دیکھنے سے اتنا یقین نہیں ہوتا تھا جتنا اللہ کے محبوب ﷺ کے فرما دینے سے ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک عورت ہے جو مدینہ کی خبر مکہ والوں کے پاس لے کر جا رہی ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ اور چند صحابہؓ کو حکم دیا کہ جاؤ اور اس سے وہ رقعہ لے آؤ۔ انھوں نے اس کو راستے میں جا پکڑا، کپڑوں کی تلاشی لی، کچھ نہیں نکلا۔ لوگ حیران

تھے۔حضرت علیؓ نے فرمایا:نہیں میرے آقا کا فرمان ہے۔اس عورت سے کہا کہ تم رقعہ دے دو! ورنہ تیرے کپڑے اتار کر تیرے پوشیدہ حصوں کے اندر سے بھی ہمیں رقعہ نکالنا پڑا تو ہم نکالیں گے۔جب اس عورت نے یہ الفاظ سنے تو وہ ڈر گئی اور اس نے رقعہ اپنے بدن کے چھپے ہوئے حصے سے نکال کر دیا۔اس کو یقین کہتے ہیں کہ محبوب ﷺ کی زبانِ مبارک سے بات نکلی تو ان کو پکا یقین تھا کہ Definite (پکی) بات ہے۔اب ہمیں بھی یقین ہو جائے کہ ہم بھی نبی علیہ السلام کی سنتوں والی زندگی گزاریں گے تو Definite کامیاب ہو جائیں گے۔

شریعت کے حکم میں نفع ہی نفع:

یہ پکی بات ہے کہ اسباب کی دنیا میں رہتے ہوئے انسان چونکہ ہر چیز آنکھ سے دیکھ رہا ہوتا ہے تو اس کی نظر چیزوں کی طرف چلی جاتی ہے،مسبب الاسباب سے توجہ ہٹ کر اسباب پر جم جاتی ہے۔اب اس کو نظر آتا ہے کہ مجھ کو سود ملے گا تو میرے پاس نفع آئے گا،مگر شریعت نے کیا کہا کہ یہ نفع کا آنا نہیں ہے بلکہ تمہارے مال میں سے برکت کا نکلنا ہے،جو تمہیں آتا ہوا نظر آتا ہے وہ تھوڑا ہے اور جو اس سے چلا جائے گا وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔اور ہم نے دیکھا کہ سود کا کاروبار کرنے والے پورے کا پورا اپنا کاروبار ڈبو بیٹھتے ہیں۔ہم نے درجنوں بندوں کو سودی کاروبار میں ڈوبتے ہوئے دیکھا۔

تو ایک ہوا نظر کا راستہ اور ایک ہوا خبر کا راستہ۔نظر کا راستہ تو یہ ہے کہ جو عام روٹین میں ہوتا نظر آتا ہے، بندہ اس کے مطابق سوچ کر چلنے لگے۔

چلو تم ادھر کو جدھر کی ہوا ہو

مگر یہ تو کافر کی زندگی ہوتی ہے کہ جدھر فائدہ دیکھا ادھر لپک پڑے۔اس کے ذہن میں یہ تو نہیں ہوتا کہ میں نے اللہ کو راضی کرنا ہے۔مگر مومن کا معاملہ کچھ اور ہوتا ہے،وہ نبی کا بندہ نہیں ہوتا وہ خدا کا بندہ

ہوتا ہے۔ وہ اللہ رب العزت کے حکم پر چلتا ہے اور بالآخر اللہ رب العزت اس بندے کو ہمیشہ کے لیے کامیاب فرما دیتے ہیں۔

خوف، نبوت کے منافی نہیں:

چنانچہ جب حضرت موسیٰ کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ ہم کلامی ہوئی تو ربِ کریم نے فرمایا:

وَ مَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى (طٰہٰ:17) اے موسیٰ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔

تو جواب دیا

هِيَ عَصَايَ (طٰہٰ:18) اے ربِ کریم! یہ میرا عصا ہے۔

پھر اس کے فائدے بھی گنوا دیے۔

اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا (طٰہٰ:18) میں اس سے ٹیک لگاتا ہوں۔

وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ (طٰہٰ:18) میں اپنے ریوڑ کو اس سے چراتا ہوں۔

وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى (طٰہٰ:18) اے میرے مالک! اس میں میرے لیے بہت سے فائدے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى (طٰہٰ:19) اے موسیٰ! اس کو زمین پر ڈال دیجیے۔

فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى (طٰہٰ:20) زمین پر ڈال دیا تو وہ دوڑنے والا اژدھا بن گیا۔

جب اس کو دوڑتے ہوئے دیکھا تو

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى (طٰہٰ:67) حضرت موسیٰ کے دل میں خوف پیدا ہو گیا۔

اور یہ نبوت کے منصب کے خلاف نہیں ہوتا یہ ایک طبعی چیز ہے، جیسے بھوک لگنا، پیاس لگنا، نیند آنا یہ سب نبوت کے منافی نہیں، اسی طرح کسی چیز سے ظاہری طور پر خوف محسوس ہو جانا یہ فطری چیز ہے اور جب ان کو خوف محسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

خُذْهَا وَ لَاتَخَفْ (طٰہٰ:21) اے میرے پیارے کلیم اس کو پکڑ لیجیے اور ڈریے نہیں۔

سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْأُوْلٰى (طٰہٰ:21) ہم اسے پہلے والی سیرت دے دیں گے۔

چنانچہ جب اس کو دوبارہ پکڑا تو وہ دوبارہ عصا بن گیا۔ اب یہاں مقصد کوئی کرتب دکھانا نہیں۔ مقصد کیا تھا؟ مقصد ایک بات کا سمجھانا، تعلیم دینا تھا کہ اے میرے پیارے کلیم! جس چیز کو آپ اتنا فائدے والا سمجھ رہے تھے اور اس کے اتنے فائدے گنوا رہے تھے، ہمارے حکم سے جب اس کو زمین پر ڈالا تو وہ نقصان والی چیز بن گئی اور جس کو نقصان والی چیز سمجھ کر گھبرا رہے تھے ہمارے حکم سے آپ نے اس کو ہاتھ لگایا تو وہ فائدے والی چیز بن گئی۔ تو ایک بات سمجھا دی کہ نفع، نقصان چیزوں میں نہیں ہمارے حکم سے چیزوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔

یہی مومن کی حالت ہوتی ہے کہ اس کی نظر ہمیشہ اللہ رب العزت کی ذات پر جمی رہتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ رب العزت جو چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتے ہیں چیزوں کے بغیر اور چیزیں کچھ نہیں کر سکتیں اللہ کے بغیر۔ حقیقت میں یہ دل کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ جب نظر اللہ کی ذات سے ہٹی وہیں دھوکہ کھایا۔

حضرت عمرؓ کا اللہ پر یقین:

صحابہؓ کا یقین ایسا تھا کہ نظر ہر وقت اللہ رب العزت کی ذات پر ہوتی تھی۔ سیدنا عمرؓ کا زمانہ خلافت

ہے۔حضرت خالد بن ولیدؓ کو اللہ تعالیٰ بہت زیادہ فتوحات دے رہے ہیں۔اتنی فتوحات کہ جدھر جاتے ہیں کامیابی قدم چومتی ہے، جدھر جاتے ہیں انہیں نئے انداز میں کامیابی مل جاتی ہے۔جب ان کا طوطی بولتا تھا، عین اس زمانے میں حضرت عمرؓ نے ایک صحابی کو بھیجا اور پیغام دیا کہ خالد! آج جو رقعہ لے کر آ رہا ہے آج کے بعد یہ فوج کا سپہ سالار ہوگا۔اگر آپ اللہ کے راستے میں لڑنا چاہیں تو عام سپاہی بن کر لڑ سکتے ہیں اور واپس آنا چاہیں تو آپ میرے پاس مدینہ میں آ جائیں۔تو انہوں نے آ کر رقعہ دیا، حضرت خالد بن ولیدؓ نے کہا کہ ہاں! میں اللہ کے راستے میں جہاد کرنا چاہتا ہوں۔آپ سپہ سالار اور میں ایک عام سپاہی۔

کسی نے خالد بن ولیدؓ سے پوچھا: حضرت! آپ فوج کے سپہ سالار تھے اور بغیر کسی خاص وجہ کے امیر المومنین نے آپ کو ایک رقعہ بھیجا اور آپ عام سپاہی بن کر لڑنے لگے، آپ کو ایسا کرنا مشکل نہیں لگا؟ تو انہوں نے کہا کہ مجھے تو کچھ مشکل نہیں لگا، اس لیے کہ جب میں سپہ سالار بن کر لڑا تو جس ذات کو راضی کرنے کے لیے یہ عمل کر رہا تھا جب میں سپاہی بن کر لڑا تب بھی اس ذات کو راضی کرنے کے لیے عمل کیا، مجھے تو کوئی فرق نہیں پڑا۔

کسی نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ اے امیر المومنین! آپ نے اس عمل سے امت کو اتنے بڑے جرنیل سے کیوں محروم کر دیا؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے امت کو جرنیل سے تو محروم کر دیا مگر میں نے امت کا ایمان بچا لیا۔حضرت! وہ کیسے؟ فرمایا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ اتنی فتوحات دے رہے تھے کہ عام فوجیوں کے دل میں یہ بات آ رہی تھی کہ خالد جدھر جائے گا کامیابی ہوگی۔لوگوں کی نگاہیں اللہ کی مدد سے ہٹ کر ایک ذات پر جم رہیں تھی تو میں نے کہا کہ وہ مدد ہٹ نہ جائے۔میں نے ان کو ہٹا دیا، اللہ کی مدد تو اب بھی آئے گی اور اللہ اب بھی کامیابی عطا فرمائیں

گے۔آج ہماری بھی نظر ہر حال میں اللہ کی ذات پر رہے اس کو یقین کامل کہتے ہیں۔

بدر میں صحابہ کی مدد ونصرت:

اس لیے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو میدانِ بدر میں بالکل بے اسباب لے کر آیا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مدینے میں رہنے والے گھروں سے باہر نکلیں اور ان کے پاس تلواریں نہ ہوں۔ جس کلچر میں ہر بندے کے پاس تلوار ہوتی تھی اس میں یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ پورے لشکر میں دو تلواریں؟ اصل وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو بغیر تیاری کے کافروں کے سامنے کھڑا کرنا چاہتے تھے۔ دنیا کو دکھانا چاہتے تھے کہ اگر اُدھر بھی تلواریں ہوتیں اور اِدھر بھی تلواریں ہوتیں تو دنیا کہتی کہ یہ اس لیے کامیاب ہوگئے کہ یہ زیادہ بہتر تلوار چلانے والے تھے، یہ تھوڑے ہو کر بھی غالب آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا معاملہ بنایا کہ اسباب تھے ہی نہیں اور ادھر لوہے میں ڈوبی ہوئی فوج تھی۔ صحابہؓ کا کیا حال تھا؟ قرآن نے خود گواہی دی:

كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ (الانفال:6)

صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب کافروں کو لوہے میں ڈوبے ہوئے دیکھا تو یوں لگتا تھا کہ موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ (الانفال:8)

اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ حق کو حق ثابت کر دیں اور باطل کو باطل ثابت کر دیں۔ چنانچہ جب یہ بغیر اسباب والی جماعت ان کے ساتھ ٹکرائی تو اللہ نے اپنی مدد جرائیل علیہ السلام کے ساتھ ایسی نازل فرمائی کہ ان نہتے لوگوں کو بالآخر کامیابی نصیب ہوئی۔ ارشاد فرمایا:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ (البقرہ:249)

کتنی بار ایسا ہوا کہ ایک تھوڑی سی جماعت بڑی جماعت پر غالب آ گئی۔اب اس کا ترجمہ سمجھنے کے لیے اپنی زبان میں کریں تو یوں ہوگا: کتنی بار ایسا ہوا کہ اللہ نے چڑیوں سے باز مروا دیے۔

وَ اللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (البقرہ:249) اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

پروردگار جب چاہتا ہے چڑیوں سے باز مروا دیا کرتا ہے۔ یہ یقین کہلاتا ہے۔ جب یہ یقین دل میں آ جائے گا تو اللہ کی مدد ساتھ آ جائے گی۔ جب یہ یقین ساتھ نہیں ہوگا تو اللہ کی مدد نہیں ہوگی، پھر اسباب اسباب سے ٹکرائیں گے اور پھر جس کے پاس اسباب زیادہ ہوں گے وہ کامیاب ہو جائے گا۔تو مومن کو یہ تعلیم دی کہ تم زندگی کے میدان میں اگر صرف اسباب لے کر آؤ گے تو ہمیشہ نقصان اٹھاؤ گے۔تم زندگی کے میدان میں یقین کو لے کر آؤ۔یقین ایسی نعمت ہے کہ اس کے مقابلے میں کچھ نہیں ٹھہر سکتا۔اس لیے صحابہؓ فرمایا کرتے تھے:

تَعَلَّمْنَا الْاِیْمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ پہلے ہم نے ایمان سیکھا پھر ہم نے قرآن سیکھا۔

آج یہ ایمان ہمیں سیکھنے کی ضرورت ہے۔اس لیے کہ ہم سب لوگوں کی نظر آج اسباب پر ہے، الا ماشاء اللہ۔اب تو یوں ہو گیا ہے کہ ہر بندہ کہتا ہے کہ میرا تو یقین بنا ہوا ہے۔بھئی! ہم تو زبان سے باتیں کرتے ہیں، حالات پڑتے ہیں تو اس وقت نظر آتا ہے کہ یقین کس کا بنا ہوا ہے۔بس اتنا فرق ہے کہ کچھ باتیں کرتے ہیں اور کچھ بات نہیں کرتے اور جب موقع آتا ہے تو اس وقت تقریباً سب کے عمل ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔اگر سچے یقین والے صرف تین سو تیرہ اٹھ کر آ جائیں تو اللہ رب العزت دنیا کا جغرافیہ بدل کر رکھ دیں۔

حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے:

تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو دنیا میں ہو پریشان

تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو دنیا میں رہے ناکام

تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو دنیا میں رہے غلام

غلامی نفس کی ہو، شیطان کی ہو یا کسی انسان کی ہو، نا، نا، نا

ہمیں کہتا ہے یہ قرآن، اے میرے ماننے والے مسلمان!

اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ (العلق:3) تو پڑھ قرآن، تیرا رب کرے گا تیرا اکرام۔

''تیرا رب تجھے عزت ووقار دے گا، تیرے ظاہر اور باطن کو نکھار دے گا''۔ چنانچہ ایسا بھی ہوا کہ ایک ایسا ٹارگٹ تھا جس کو پورا کرنا صحابہ j کو بھی مشکل نظر آتا تھا۔ سب کہتے تھے کہ یہ تو نہیں ہوسکتا، یہ کام تو نہیں ہوسکتا۔ اللہ نے وہ کام بھی کروادیا۔

ناقابل تسخیر قلعوں کی تسخیر:

ایک قوم تھی جس نے بڑے بڑے قلعے بنائے ہوئے تھے۔ مجھے مدینہ کے قریب وہ قلعے دیکھنے کا موقع ملا۔ کم از کم ایک میٹر سے چوڑی ان کے گھروں کی دیواریں تھیں، وہ قلعے ناقابلِ تسخیر نظر آتے تھے۔ ان کی بنیادوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ واقعی اس زمانے کی ظاہری نظر کہتی ہوگی کہ وہ ناقابل تسخیر قلعے ہیں۔ اب صحابہؓ بھی یہی سمجھتے تھے کہ ان کو فتح کرنا بہت مشکل ہے مگر جب میرے اللہ کی مرضی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ راستے نکال دیا کرتے ہیں۔ سنیے قرآن عظیم الشان! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا (الحشر:2) تمہیں گمان ہی نہیں تھا کہ تم ان کو یہاں سے نکال سکو

گے۔

وَ ظَنُّوْٓا (الحشر:2) اوران کا بھی یہی گمان تھا

اَنَّهُمْ مَّا نِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ (الحشر:2) کہ اب یہ قلعے اللہ کے راستے میں رکاوٹ بن جائیں گے۔

کوئی ان کو فتح نہیں کرسکتا۔ واہ میرے مولا! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا (الحشر:2) پھر اللہ ایسی طرف سے آیا جہاں سے ان یہود کو گمان بھی نہیں تھا۔

ہوا کیا؟

وَ قَذَفَ فِي قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ (الحشر:2) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان والوں کا رعب پیدا کر دیا۔

لہٰذا وہ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ یہ مسلمان جہاں جاتے ہیں ان کو کامیابی نصیب ہوتی ہے، ہماری طرف رخ کرلیا تو ہماری عورتوں کا کیا بنے گا؟ مال کا کیا بنے گا؟ تو بھائی ان کے آنے سے پہلے ہی محفوظ مقام پر منتقل ہو جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے اپنا سامان نکال کر گھروں کو خالی کرنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ (الحشر:2) اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو خراب کرنے لگے

وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ (الحشر:2) مومنین کو پتہ چلا تو انہوں نے بھاگنے میں مدد دی" میرے مالک فرماتے ہیں:

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ (الحشر:2) اوآنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔

جب میں چاہتا ہوں تو ایسے نہتے لوگوں سے ایسے قلعے والوں کو بھی شکست دلوا کر رکھ دیتا ہوں۔اس یقین کو ہمیں اپنی زندگی کے اندر پیدا کرنا ہے۔اس پر محنت کرنی پڑے گی، یہ دو چار باتیں کرنے سے حاصل نہیں ہوتا یہ زندگی کی قربانیوں سے حاصل ہوتا ہے۔میں اور آپ دو منٹ بیٹھ کر بات کرلیں، کوئی وعظ سن لیں، خطبہ دے لیں دو چار دن سوچتے رہیں تو اس سے یہ چیز حاصل نہیں ہو سکتی، یہ مشقتوں سے کمانا پڑتا ہے اور پھر جس کے دل میں یہ یقین آجاتا ہے، اللہ رب العزت کی مدد اس کے ساتھ ہو جاتی ہے۔تو ایک ہوا نظر کا راستہ اور ایک ہوا خبر کا راستہ۔

خبر کے راستے میں کامیابی ہے:

خبر کے راستے میں یقینی کامیابی ہوتی ہے۔نظر کے راستے میں کامیابی ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی ہو سکتی۔آپ غور فرمائیں، قرآن مجید کی چند مثالیں سن لیجیے:

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کے درمیان گھرے کھڑے ہیں۔انہوں نے اپنی رسیاں پھینکیں۔

يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى (طٰهٰ:66) ان کے جادو کی وجہ سے ایسے محسوس ہوا جیسے یہ رسیاں سانپ بن کر چل رہی ہیں۔

اب ایسے وقت میں انسان اپنی عقل سے پوچھے کہ کیا کرنا چاہیے؟ تو عقل کہتی ہے کہ ان سانپوں کے واسطے تمہارے پاس فقط لاٹھی ہے۔لہٰذا لاٹھی مضبوطی سے ہاتھ میں پکڑنا، جو سانپ قریب آئے لاٹھی سے اس کو کچل دینا، خیال رہے لاٹھی چھوٹنے نہ پائے، کہیں ٹوٹنے نہ پائے، اس لیے کہ یہ امید کا آخری

سہارا اور آخری کرن ہے، یہ ہے نظر کا راستہ۔

حضرت موسیٰؑ اللہ کے پیغمبر ہیں، انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا کہ میرے مولا! آپ کا کیا حکم ہے؟ اوپر سے اطلاع آرہی ہے، خبر آرہی ہے:

اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى (طٰهٰ:19) اے موسیٰ! اس لاٹھی کو زمین پر ڈال دو۔

عقل چیختی ہے، چلاتی ہے، شور مچاتی ہے، یہ کیا کر رہے ہو، یہ زندگی کا آخری سہارا، اس کو بھی ہاتھ سے چھوڑ رہے ہو۔ مگر حضرت موسیٰؑ اللہ کے پیغمبر تھے، انہوں نے حکم خدا پر عمل کیا، ظاہری نظر کو نہیں دیکھا۔ جیسے ہی اس کو پھینکا وہ اژدھا بن گیا اور اس نے تمام سانپوں کو کھا لیا اور اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو کامیابی عطا فرما دی۔

☆ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو لے کر دریا کے کنارے کھڑے ہیں۔ پیچھے فرعون بھی اپنے لاؤ لشکر کو لے کر پہنچ گیا۔ اب عجیب سی صورت حال ہے، آگے پانی کا دریا ہے اور پیچھے انسانوں کا دریا ہے۔

نا جائے بادن نہ پائے رستم

قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (الشعرآء:61) حضرت موسیٰؑ کے صحابہ نے کہا: اب ہم ٹریس ہو گئے اب کیا ہو سکتا تھا؟ اس وقت یقین بھری آواز اٹھی حضرت موسیٰ نے فرمایا: كَلَّا (الشعرآء:62) ”ہر گز نہیں“

اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ (الشعرآء:62) میرا رب میرے ساتھ ہے اور ضرور میری رہنمائی کرے گا۔

اچھا! ایسے وقت میں عقل سے پوچھیں کہ کیا کرنا چاہیے کہ آگے پانی کا دریا اور پیچھے انسانوں کا دریا۔ اب میں کیا کروں؟ عقل کہے گی: تمہارے ہاتھ میں سوائے لاٹھی کے کچھ نہیں، بھئی! لاٹھی کو مضبوطی سے پکڑ لو

اور جب دشمن آئے تو ان کا مقابلہ کر لینا، ممکن ہے کہ تم بچ جاؤ، یہی صورت بنتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اوپر سے اطلاع آتی ہے:

اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ (الشعرآء:63) میرے پیارے موسیٰ! اس عصا کو پانی پر مارو۔

یہ بات سن کر عقل چیختی ہے، چلاتی ہے، شور مچاتی ہے، کہتی ہے: یہ کوئی بات ہے بھلا کہ پانی پر لاٹھی مارو۔ کیا بنے گا لاٹھی کو پانی پر مارنے سے؟ اوہ بھئی! مارنی ہے تو اس لاٹھی کو فرعون کے سر پر مارو، پھر تو شاید کچھ بن جائے، پانی پر مارنے سے کیا بنے گا؟ حضرت موسیٰؑ چونکہ اللہ رب العزت کے پیغمبر تھے اس لیے انہوں نے پانی پر لاٹھی ماری۔ اللہ رب العزت نے بارہ راستے بنا کر بارہ قبیلوں کو وہاں سے گزار دیا۔ تو کامیابی خبر کے راستے پر ہوئی نظر کے راستے پر نہ ہوئی۔

☆ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو لے کر وادی تیہ میں ہیں۔ پانی نہیں ہے۔ نازک پلی قوم تھی۔ شکوے بھی بڑے کرتی تھی اور بات بات کا بوجھ حضرت موسیٰؑ پر ڈال دیتی تھی۔ عجیب قوم تھی۔ کہنے لگی: حضرت! پانی نہیں پینے کو، پانی چاہیے جینے کو۔ پانی چاہیے، کیا کریں؟ اب ایسے وقت میں عقل سے پوچھا جائے کہ کیا کرنا چاہیے تو عقل کہتی ہے: آپ کے پاس کوئی ہتھیار اور اوزار ہے نہیں، صرف لاٹھی ہے، تو ایسا کریں کہ لاٹھی سے کوئی گڑھا کھودیں، دھیان رکھنا کہ لاٹھی ٹوٹنے نہ پائے، لاٹھی ٹوٹ گئی تو گڑھا بھی نہیں کھدے گا اور نیچے سے پانی بھی نہیں نکلے گا۔ لیکن حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اللہ رب العزت کی طرف سے پیغام ملا:

فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ (البقرہ:60) میرے پیارے پیغمبر! اس لاٹھی کو پتھر پر دے ماریں۔

عقل چیختی ہے، چلاتی ہے، شور مچاتی ہے، کہتی ہے: یہ کوئی کرنے کی بات ہے؟ پتھر پر لاٹھی مارو گے تو لاٹھی

ٹوٹے گی اور تم گڑھا بھی نہیں کھود سکو گے اور تمہارے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہے گی۔ حضرت موسیٰ نے ظاہر کو نہیں دیکھا۔ حضرت موسیٰ ؑ نے جیسے ہی پتھر پر لاٹھی ماری اللہ تعالیٰ نے پتھر سے پانی کے چشمے جاری فرما دیے۔ تو معلوم ہوا کہ کامیابی خبر کے راستے پر ملتی ہے، نظر کے راستے پر نہیں ملتی اور خبر کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے نبی جو لائحہ عمل اور طرزِ زندگی لے کر آئے اس پر چلنے میں کامیابی اور اس کے خلاف چلنے میں ناکامی ہے۔

اگر یہ یقین ہو تو ہم کبھی کوئی عمل سنت کے خلاف نہ کریں، ہم کبھی گناہوں کا ارتکاب نہ کریں۔ ہم کیوں اپنے مالک کی نافرمانی کریں گے؟ یہ جو ہماری زندگی کی اونچ نیچ ہے یہ ہمارے یقین کی کمزوری کی وجہ سے ہے۔ جو اس عاجز نے عرض کیا کہ یہ یقین کوئی آسان کام نہیں ہے، تو اسی لیے اگر یقین ہوتا تو ہماری آنکھ خطا نہ کرتی۔ اب بتائیں کہ ہم میں سے کتنوں کی آنکھ خطا کرتی ہے۔ ادھر اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) نماز پڑھ کر جاتے ہیں اور وہاں جا کر نظر کسی اور چیز پر پڑی تو وہاں نفس کا حکم مانا یا خدا کا حکم مانا؟ اس لیے کہا کہ یقین نہیں بنا ہوا ہے۔

ایک تابعی کا یقین:

ایک تابعی تھے۔ وقت کے بادشاہ نے بیٹی کو کہا کہ ہم اس قیدی کو اپنا بنانا چاہتے ہیں، اس کو اپنے دین پر لاؤ۔ وہ ایک مہینہ یا کم وبیش اپنے آپ کو بنا سنوار کر ان کے پاس جاتی اور ان کا دل لبھانے کی کوشش کرتی، مگر انہوں نے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ ایک مہینے بعد پوچھنے لگی: مجھ میں کیا کمی ہے؟ میں حسن و جمال کی پیکر ہوں۔ تنہائی ہے، میں خود تمہیں گناہ کی طرف بلاتی ہوں، تم میری طرف کیوں نہیں متوجہ ہوتے؟ تم مرد ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں اس لیے متوجہ نہیں ہوتا کہ میرے رب نے مجھے اس کام سے منع کر دیا ہے۔ اس نے کہا: اچھا! تو پھر یہ طریقہ زندگی مجھے بھی سکھا دو۔ چنانچہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتی

ہے۔

شکار کرنے آئے تھے شکار ہو چلے

یہ یقین کہلاتا ہے۔

یقین کے حصول کے لیے محنت ضروری ہے:

یہ یقین کب ہے کہ یہاں بیٹھ کر باتیں کر لیں اور باہر نکل کر وہی کام کر لیں جو دوسرے کرتے پھر رہے ہیں۔ جھوٹ بھی بول رہے ہیں، غیبت بھی کر رہے ہیں، حسد بھی کر رہے ہیں، یہ باتیں اس لیے ہیں کہ یقین نہیں بنا ہوا۔ تو یقین باتوں سے نہیں عمل سے سامنے آتا ہے۔ اس لیے میرے بھائیو! اس کو بنانے کی ضرورت ہے، اس پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ زندگیاں لگیں گی، مال لگے گا، وقت لگے گا، جانیں لگیں گی، تب جا کر ہمارے دلوں میں یقین پیدا ہوگا۔ یہ جو عمر ملی ہے سو پچاس سال یہ اسی کو کمانے کے لیے ملی ہے، باقی تو ضروریاتِ زندگی ہیں، وہ تو پوری ہو ہی جاتی ہیں۔ یہ یقین ہمیں بھی نصیب ہو جائے تو پھر دیکھیے کہ ہماری زندگی کی ترتیب ہی کچھ اور ہو جائے گی۔

دو انمول باتیں:

دو باتیں ذہن میں رکھ لیجیے، بات پوری ہو جائے گی۔

(ا) جو سبب غم کا وہی سبب خوشی کا:

ایک تو یہ کہ اگر اللہ کے حکموں پر عمل کریں گے تو جو اسباب آپ کو ذلت کے نظر آرہے ہیں، اللہ آپ کی استقامت کی وجہ سے اسی سبب سے آپ کو عزت عطا فرما دیں گے۔ جس سبب سے آپ کو رنج مل رہا ہے، اللہ اسی سبب سے آپ کو خوشی عطا فرمائیں گے۔

قرآن مجید سے دلائل:

اس کی دلیل قرآن عظیم الشان سے سنیے۔

☆ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے ان کو کنویں میں ڈال دیا اور ان کا کرتہ لے کر آئے جھوٹ موٹ کا خون لگا کر۔

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ (یوسف:16)

روتے دھوتے، اس کا مطلب ہے کہ آنسو ہمیشہ سچے نہیں ہوتے دھوکہ بھی دیتے ہیں اور آج تو رو دھو کر بہت دھوکے دیے جاتے ہیں۔ آ کر کہنے لگے: حضرت! یعقوبؑ سے ہم اپنے بھائی کو چھوڑ کر بھاگنے کے لیے نکلے پیچھے سے بھیڑیے نے کھالیا اور ثبوت کے طور پر کرتہ دکھا دیا

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ (یوسف:18) اب حضرت یعقوبؑ کے دل پر بیٹے کے خون آلود کرتے کو دیکھ کر ایک چوٹ پڑی، غم ملا۔ تو بتائیں غم ملنے کا سبب ظاہر میں کیا بنا؟ بیٹے کا خون آلود کرتہ۔ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ظاہری سبب جس کو دیکھنے سے دل کو چوٹ لگی وہ کیا تھا؟ بیٹے کا کرتہ دیکھا تھا۔ خیر! نصیحت ہو رہی ہے، قرآن میں اللہ نے اس کو احسن القصص فرمایا۔ فرعونوں کے لیے اس میں بڑی عبرت کی باتیں ہیں۔ بالآخر کیا ہوا؟ ایک وقت آیا کہ بھائی حضرت یوسف D سے معافی مانگنے لگے اور انہوں نے معاف فرما دیا تو بھائیوں نے بتایا کہ آپ کی جدائی میں رو رو کر ابا جان کی یہ حالت ہے کہ

وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ (یوسف:84) غم کے مارے بینائی چلی گئی

اب اگر بینائی چلی جانے کا پتہ چلا تو حضرت یوسفؑ یہ فرماتے کہ میں دعا کرتا ہوں (آخر پیغمبر تھے) کہ اللہ میرے والد کو بینائی واپس عطا فرما دے۔ ایسے بھی ہو سکتا تھا، مگر نہیں۔ انہوں نے کہا:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ (یوسف:93) میری قمیص کو لے جاؤ۔

یا اللہ! راز کیا ہے؟

راز یہ ہے کہ جو سبب بنا تھا حضرت یعقوبؑ کو غم ملنے کا ان کا سبب جب اللہ رب العزت کو پسند آ گیا تو اب اسی بیٹے کا قمیص آ رہا ہے، جیسے ہی اس کو برکت کے وسیلے سے آنکھوں پر لگایا، اللہ نے ان کی بینائی واپس کردی۔ جو سبب ناکامی کا نظر آتا ہے اللہ اسی میں سے کامیابی عطا فرماتے ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو پانی میں ڈال دیجیے۔

وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ (القصص:7) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے وحی نازل کی ،ہم نے الہام ڈالا حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے دل میں، کہ اگر آپ کو اس کے بارے میں ڈر لگے کہ فرعون کے سپاہی اس کو پکڑ کر نہ لے جائیں تو

فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ (القصص:7) اس کو دریا میں ڈالو

فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ (طٰہٰ:39) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کو وہ پکڑے گا جو اس کا بھی دشمن ہوگا اور میرا بھی۔

واہ میرے مولا! یہ بچے کو بچانے کا انتظام ہو رہا ہے۔ ساتھ فرما رہے ہیں اس کو پکڑے گا وہ جو اس کا بھی دشمن ہوگا اور میرا بھی دشمن۔ مگر تسلی دی، فرمایا:

وَ لَا تَخَافِيْ وَ لَا تَحْزَنِيْ (القصص:7)

”خوف بھی نہ کھانا اور دل میں رنجیدہ بھی نہ ہونا“

اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (القصص:7) اس کو تمہارے پاس لوٹائیں گے۔ اور ہم

نے اس کو رسولوں میں سے بنایا ہے۔

اب عورت ، بیٹے کے معاملے میں اتنی حساس ہوتی ہے کہ اگر اس کو وہم پڑ جائے کہ اس کے بچے کا نقصان ہو جائے گا تو وہ کبھی ادھر قدم بھی نہیں اٹھائے گی اور یہاں حکم ہو رہا ہے کہ بیٹے کو پانی میں ڈال دو۔ان کی عقل کہتی ہوگی کہ اگر اللہ نے بچے کو بچانا ہے تو پھر میرے گھر فوجی آئیں ہی نہ۔آسان طریقہ یہ ہے کہ میں اس کو کسی غار میں چھوڑ آتی ہوں، ادھر کوئی جائے گا ہی نہیں۔مگر اللہ تعالیٰ بھی تو مشاہدے کے خلاف کرواتے ہیں۔فرمایا کہ ڈالنا ہے تو پانی میں ڈالو۔عقل کیا کہتی ہے؟عقل کہتی ہے، بی بی!اگر بیٹے کو پانی میں ڈال دیا تو بیٹا تمہارا گیا۔وہ کیسے؟ چھوٹے بچے کو باکس میں ڈال کر پانی میں ڈالنا ہے۔تو بھئی!باکس میں سانس لینے کے لیے سوراخ بھی رکھنے پڑیں گے تو ان سوراخوں سے پانی جائے گا اور بچہ ڈوب کر مر جائے گا اور اگر پانی سے بچانے کے لیے سوراخ بند کریں گے تو بچہ آکسیجن کی کمی سے مر جائے گا۔عقل کہتی ہے: تیرا بچہ نہیں بچے گا۔حضرت موسیٰؑ کی والدہ ایک عورت ہے مگر اللہ رب العزت کی ذات پر یقین ہے ،وہ مشاہدے کو نہیں دیکھتی کہ ہو گا کیا؟ وہ کہتی ہے کہ میرے مالک کا حکم ہے۔مالک کا معاملہ دیکھو، ماں کو بیٹے کے معاملے میں آزماتے ہیں، اللہ اکبر۔

آپ ذرا ماں کے جذبات کا احساس رکھیے۔یا آپ کو اللہ تعالیٰ شادی کے دس پندرہ سال بعد ایک ہی بیٹا عطا فرمائے ،اور پھر اس بچہ کو کہیں پانی میں ڈالنا پڑ جائے تو پھر دل کی حالت بھی ذرا دیکھ لیجیے۔وہ ماں ہے ،امتحان ہو رہا ہے مگر یقین بنا ہوا تھا۔جب یقین بن جاتا ہے تو پھر عورتیں بھی اس میدان میں مردوں سے آگے نکل جاتی ہیں، ایسا یقین اللہ تعالیٰ ہر ایک کو عطا فرمائے۔بی بی ہاجرہ کو اللہ نے کیسا یقین دیا تھا کہ مردوں سے بھی آگے نکل گئیں۔

اب انہوں نے بچے کو پانی میں ڈال دیا اور واپس آگئیں۔پتہ نہیں گھر آتے ہوئے ان کے قدم کتنے

بوجھل ہو رہے ہوں گے۔ آج اگر ماں بچے کو رخصت کرے تو دو منٹ کے بعد اس کو میسج کرتی ہے کہ میں آپ کو مس کر رہی ہوں، تو جب وہ ماں اپنے بچے کو پانی میں ڈال کر آ رہی تھی تو کتنا مس کر رہی ہوگی!؟ رات اپنے گھر میں آ گئی۔

ادھر کیا معاملہ بنا؟ فرعون اپنی بیوی کے ساتھ دریا کے کنارے ٹہل رہا ہے، اس کے ارد گرد اس کی خدمت کے لیے آٹھ سو غلام تھے۔ کسی نے باکس کو دیکھا تو پکڑا اور ان کے حوالے کر دیا۔ اس نے کہا: کھولو! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ (طٰہٰ:39)

''اے میرے پیارے موسیٰ! ہم نے آپ کے چہرے پر محبت کی تجلی ڈال دی تھی۔''

چنانچہ حضرت موسیٰ کے چہرے پر ایک جاذبیت تھی، مقناطیسیت تھی، ایسی محبوبیت تھی کہ فرعون کی بیوی نے دیکھا تو خاوند سے کہنے لگی:

لَا تَقْتُلُوْهُ (القصص:9) اس کو قتل نہ کرنا

عَسٰۤی اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا (القصص:9) ہم اسے کو بیٹا بنائیں گے اور فائدہ اٹھائیں گے۔

اب اتنا ظالم فرعون جو ہزاروں بچوں کو ذبح کروا چکا تھا اس نے بیوی کے کہنے پر اس بچے کو چھوڑ دیا۔...... لوگ کہتے ہیں کہ بیوی کی کوئی نہیں مانتا، بیوی کی تو بڑے بڑے فرعون بھی مانتے ہیں۔ یہ ہوم گورنمنٹ ہوتی ہی ایسی ہے۔ ہوم ڈیپارٹمنٹ بڑا مضبوط ہوتا ہے...... چنانچہ اس نے ایک آرڈر جاری کیا اور کہا: لَا تَقْتُلُوْهُ (القصص:9) اس نے کہا: ٹھیک ہے، ہم اس کو بیٹا بنا لیتے ہیں۔ عقل نے دھوکہ دیا۔ فرعون کے دل میں یہ بات آئی کہ جب میں اس کو اپنا بچہ بنا کر اپنے گھر میں پالوں گا تو یہ میرا

مرہون منت ہوگا تو کیا یہ مجھ سے تاج چھینے گا؟ مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہوگا، اس لیے میں اس کو اپنا بیٹا بنا لیتا ہوں۔ اتنا خوش ہوا تھا کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس نے اسی وقت آٹھ سو غلاموں کو آزاد کر دیا۔

روح المعانی میں ایک عجیب نکتہ لکھا ہے: وہ فرماتے ہیں کہ اللہ والے جہاں بھی جاتے ہیں لوگوں کے لیے انسانوں کی غلامی سے اور نفس کی غلامی سے نجات کا سبب بن جایا کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی وجہ سے بھی غلاموں کو آزادی نصیب ہوگئی۔

فرعون حضرت موسیٰؑ کو گھر لے آیا۔ اب اس زمانے میں ڈبے کے دودھ نہیں ہوتے تھے: عورتیں دودھ پلاتی تھیں۔ کہنے لگا: عورتوں کو بلاؤ، دودھ پلانا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ (القصص:12)

”اور ہم نے دوسری عورتوں کا دودھ ان پر حرام کر دیا۔“

جو عورت آتی ہے، فیڈ دینے لگتی ہے، بچہ فیڈ نہیں لیتا تھا۔ بھوک کی وجہ سے روتا ہے۔ فرعون کی بیوی کو کچھ ہوتا ہے اور اس کو دیکھ کر اس کو بھی کچھ ہوتا ہے۔ عورتیں آتی رہیں اور بچہ دودھ نہیں پیتا۔ ساری رات بے چینی میں گزری۔ صبح کو فرعون کا یہ حال تھا کہ کہتا تھا کہ کوئی عورت تو ایسی آئے جو بچے کو دودھ پلائے ادھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا (القصص:10)

حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے صبح بہت بے قراری کی حالت میں کی۔

بھوکی تھی۔ سوچتی رہی کہ پتا نہیں رات میرے بیٹے کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنۡ كَادَتۡ لَتُبۡدِىۡ بِهٖ لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّبَطۡنَا عَلٰى قَلۡبِهَا (القصص:10)

’’اگر ہم اسے کے دل کو گرہ نہ دیتے تو وہ رو بیٹھتی اور راز کھول بیٹھتی‘‘

ہم نے اس کے دل کو گرہ دے کر تسلی دے دی۔ کہنے لگی: جاؤ بیٹی! بھائی کا پتہ کرو۔ وہ بھاگتی گئی۔اس نے تماشا دیکھا کہ عورتیں دددھ پلانا چاہتی ہیں اور بچہ دودھ نہیں پیتا۔تو وہ فرعون سے کہنے لگی:

هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰٓى اَهۡلِ بَيۡتٍ يَّكۡفُلُوۡنَهٗ لَكُمۡ وَهُمۡ لَهٗ نٰصِحُوۡنَ (القصص:12) میں تمہیں بتاؤں ایسے گھر والوں کے بارے میں کہ جو اس کی کفالت بھی کرے اور دودھ بھی پلائے اور اس کی خیر خواہ بھی ہو۔

یہ بات فرعون کے ذہن میں کھٹکی تو سہی کہ یہ کیوں کہہ رہی ہے کہ وہ تمہاری خیر خواہ ہو گی۔ چنانچہ اس نے پکڑا اور کہا کہ اے لڑکی! کیوں یہ کہہ رہی ہو؟ وہ بھی حضرت موسیٰؑ کی بہن تھی، کہنے لگی: ہم آپ کی قوم ہیں، آپ کی ملت ہیں، آپ کی عوام ہیں، ہم آپ کی خیر خواہی نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔اس نے کہا: بالکل ٹھیک ہے۔اس نے کہا: امی چلو۔لو جی امی صاحبہ بھی آ گئیں۔فرعون کی ایسی مت ماری گئی کہ اس کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔رات کا جاگا ہوا تھا، کہتا تھا کہ بچہ کسی کا دودھ پی لے اور مجھے سکون کی نیند آ جائے۔فرعون خدائی کا دعویٰ کرنے والا تھا، اس کی مت ماری گئی۔حضرت موسیٰؑ کی والدہ آئیں، انہوں نے دودھ پلایا تو بچے نے دودھ پی لیا۔وہ بھی سب خوش ہو گئے۔فرعون نے کہا: اچھا! اس عورت کو جانے نہ دینا، یہیں رہے اور اس سے کہو کہ بچے کو دودھ پلائے اور وہ جا کر رضائی لے کر سو گیا۔حضرت موسیٰؑ کی والدہ دو تین دن رہیں۔ پھر کہنے لگیں کہ میں تو یہاں نہیں رہوں گی مجھے تو اپنا گھر اچھا لگتا ہے۔بات بھی ٹھیک ہے ’’اپنا گھونسلا اپنا کچا ہو کہ پکا‘‘۔اس نے کہا کہ میں تو گھر جا رہی

ہوں۔ جب اس نے یہ کہا تو فرعون کہنے لگا: بی بی! اکیلی نہ جانا بچے کو بھی اپنے ساتھ لے جانا اس کو اپنے گھر میں دودھ پلاتی رہنا اور میں تمہاری تنخواہ بھی بھیج دیا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (القصص:13)

''ہم نے بچے کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اس کا دل خوف زدہ نہ ہو اور وہ جان لے کہ بے شک اللہ کے وعدے سچے ہیں''

بھئی! بات سچی ہے، ہمیں یہ بات ابھی سمجھ میں نہیں آئی، اللہ کرے سمجھ میں آ جائے اور ہم اس کو سیکھنے کے لیے نیت کر لیں۔ یہ تو ایک عورت کا یقین تھا۔

اب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے ذریعے سے بنی اسرائیل کو نجات عطا فرمائی اور نجات کے لیے فرعون کو زمین میں بھی تو دھنسایا جا سکتا تھا، آسمان سے پتھروں کی بارش بھی برسائی جا سکتی تھی، زمین میں زلزلہ بھی آ سکتا تھا، سینکڑوں صورتیں ہو سکتی تھیں۔ مگر نہیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات دی تو فرعون کو پانی میں ڈبو کر، وجہ کیا تھی کہ حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو غم ملا تھا تو بیٹے کو پانی میں ڈالتے ہوئے۔ جو سبب غم کا تھا اللہ نے اسی سبب کو خوشی کا بنا دیا اور جب سنا کہ فرعون پانی میں ڈوب گیا ہے تو کہنے لگی۔ الحمدللہ

اگر آپ یقین کے ساتھ اللہ کے حکموں پر چلیں گے تو جو سبب پریشانی کا ہوگا اللہ اسی سبب میں سے سکون عطا فرما دیں گے۔

(۲) جیسی کرنی ویسی بھرنی:

دوسری بات، ایک نکتہ سمجھیے کہ جیسے ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کریں گے اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمائے گا۔اس کو کہتے ہیں: ''جیسی کرنی ویسی بھرنی''۔ یہ پکی بات ہے، یہ سو فیصد پکا اصول ہے۔ہم اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ویسا ہی معاملہ فرمائیں گے اور اگر ہم اللہ سے نظر ہٹا کر غیروں پر نظر ڈالیں گے تو اللہ ہمارے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمائے گا۔ بندہ جیسا عمل کرتا ہے اللہ کی طرف سے ویسا ہی ردعمل ہوتا ہے۔جیسا Action ویسا Reaction

قرآن مجید سے دلائل:

قرآن مجید سے چند مثالیں سمجھیں تو اور مزہ آئے گا۔

☆ بنی اسرائیل کی توبہ قبول کرنے کے لیے یہ دستور بنا دیا گیا تھا کہ تم اپنی بستیوں سے باہر نکلو ہم بادل کے ذریعے اندھیرا کر دیں گے۔

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (البقرہ:54)

''تم چھریاں اپنے جسم پر مارو اور اپنے آپ کو زخمی کرو''

خون بہاؤ۔قرآن مجید میں ہے کہ پھر ان کی توبہ کی قبولیت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اب کتنی عجیب بات ہے کہ توبہ کی قبولیت کے لیے فرمایا کہ اپنا خون نکالو۔امت محمدیہ کے لیے تو یہ نہیں ہے۔امتِ محمدیہ کے لیے تو یہ ہے اَلنَّدْمُ تَوْبَةٌ بندے نے زبان سے لفظ بھی کچھ نہیں کہا اور اٹھ کر بھی کہیں نہیں گیا، صرف دل میں نادم اور شرمندہ ہو گیا تو اللہ اس کی ندامت پر توبہ قبول کر لیتے ہیں۔

یہ فرق کیسے؟ علما نے اس کی وجہ لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے ''جیسی کرنی ویسی بھرنی

حضرت موسیٰؑ نے جب بنی اسرائیل کے سامنے اللہ کے حکم کو پیش کیا تو بنی اسرائیل نے کہا:

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (البقرہ:55)

ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے جب تک کہ واضح طور پر اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہ لیں، تو انہوں نے ایمان لانے کے لیے شرط لگا دی کہ آنکھوں سے دیکھیں گے تو پھر بات مانیں گے۔ اللہ نے ان کی توبہ کی قبولیت کی بھی شرط لگا دی، اچھا! تو پھر تم بھی خون نکالو گے تو ہم مانیں گے کہ تم واقعی توبہ کرنا چاہتے ہو۔ جب کہ امت محمدیہ کے سامنے جب نبی ﷺ نے اللہ کے پیغام کو پیش کیا تو انہوں نے بغیر کسی دلیل کے اس بات کو قبول کر لیا اس لیے رب کریم نے فرمایا کہ تم نے میرے پیغام کو بغیر دلیل کے مان لیا، میں بھی دنیا میں تم سے دلیل نہیں مانگوں گا، فقط دل سے نادم ہو جاؤ گے تو میں اس پر توبہ کو قبول کر لوں گا۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی

☆ ایک چھوٹی سی مثال قرآن مجید میں ہے کہ جو تہجد کی نماز پڑھتے ہیں

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (السجدہ:17)

’’کوئی بھی نہیں جانتا کہ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے جنت میں کیا تیار رکھا ہے‘‘

اب یہاں طالبِ علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیوں نہیں کہا کہ ان کے دل کے سکون کے لیے تیار کر رکھا ہے، ان کی دل کی خوشی کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے؟ بات تو دل کی ہوتی ہے کہ ایسا تحفہ دو کہ دل خوش ہو جائے، دل مطمئن ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے یہاں دل کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔ کیا فرمایا؟ کوئی نہیں جانتا کہ انکی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے۔ تو مفسرین نے یہاں نکتہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ تہجد پڑھنے والے رات کو جاگتے ہیں تو صبح کو انکی آنکھیں نیند کو ترس رہی ہوتی

ہیں، آنکھیں بوجھل ہو چکی ہوتی ہیں۔ چونکہ آنکھیں اللہ کی عبادت میں نیند کو ترسیں اس لیے رب کریم نے فرمایا کہ میں تمہارے لیے وہ انعام تیار کروں گا کہ جس کو دیکھ کر تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک مل جائے اور آنکھیں خوش ہو جائیں۔ تو ''جیسی کرنی ویسی بھرنی''

☆ حضرت یوسفؑ پر بھی بہتان لگا لیکن بہتان کے جواب میں ایک بچے نے دو فقرے کہے کہ اگر آگے سے قمیص پھٹا تو اِس کا قصور اور اگر پیچھے سے قمیص پھٹا تو اِس کا قصور۔ بات ختم ہو گئی۔ لیکن بی بی مریم علیہا السلام پر بھی بہتان لگا، اب اس بہتان لگنے کا واقعہ قرآن مجید میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا (مریم: 16)

غسل کرنے کے لیے اپنے مکان کی مشرقی سمت گئی کہ اللہ تعالیٰ نے مشرق کو قبلہ بنایا ہوا ہے۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا (مریم: 17)

''پردہ کر لیا''

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (مریم: 17) ہم نے جبرائیل کو بھیجا بھرپور مرد کی شکل میں۔

اب جب بی بی مریمؑ نے ایک مرد کو سامنے دیکھا تنہائی میں تو گھبرا گئی۔ کہنے لگی:

اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا (مریم: 18)

''میں رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں''

جبرائیل نے دیکھا کہ بی بی مریمؑ تو گھبرا گئیں، تو فرمانے لگے:

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ (مریم: 19)

’’میں تیرے رب کا بھیجا ہوا نمائندہ ہوں۔‘‘

لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا(مریم:19)

’’تا کہ آپ کو نیک بیٹا عطا کیا جائے‘‘

اس بات کو سن کر بی بی مریمؑ اور زیادہ گھبرا گئیں کیوں کہ عام اسباب تو یہ ہوتے ہیں کہ عورت نکاح کرے تو بیٹا ہوسکتا ہے یا گناہ کے ذریعے زنا کرے تو بیٹا ہوسکتا ہے اور بی بی مریمؑ جانتی تھیں کہ دونوں اسباب میری زندگی میں نہیں ہیں۔ چنانچہ فرمانے لگیں:

اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ (مریم:20)

’’میرا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے؟‘‘

وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ(مریم:20)

’’نہ میں نے نکاح کیا‘‘

وَّ لَمْ اَكُ بَغِيًّا(مریم:20)

’’نہ میں نے زنا کیا‘‘

اب جب جبرائیلؑ نے دیکھا کہ یہ تو گھبرا گئی ہے تو فرمایا:

قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ(مریم:21) تیرے پروردگار نے یہ کام میرے لیے آسان کر دیا ہے۔

فَحَمَلَتْهُ (مریم:22) بی بی مریم حاملہ ہوگئیں‘‘ اب بی بی مریم بہت پریشان ہیں۔ آپ تصور کریں کہ جس عورت نے بچپن سے اللہ کے نام پر زندگی گزاری ہو اور ان کی کفالت کے لیے لوگ ایک دوسرے کے لیے جھگڑے کرتے ہوں اور جس کو مسجد کے ماحول میں رکھا گیا ہو اور اعتکاف میں عبادت بھری زندگی

گزاری ہو، وہ بچی جب جوان ہو اور حاملہ ہو جائے تو اس کو کتنا غم ہوگا!! تو بی بی مریمؑ ایک ہارے ہوئے جرنیل کی طرح بیٹھی ہیں۔ اتنا غم اور اتنی ڈپریشن کی کیفیت ہے کہ کہتی ہیں:

يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا (مریم: 23) اے کاش! میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی ،کوئی بھولی بسری چیز ہو چکی ہوتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَا (مریم: 24) ہم نے اس کو اطلاع دی فرشتے کے ذریعے سے

اَلَّا تَحْزَنِيْ (مریم: 24) غم نہ کر

فرمایا کہ:

قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا (مریم: 24) تمہارے نیچے سے پانی کا چشمہ جاری کر دیا جائے گا

وَ هُزِّيْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا (مریم: 25) اور یہ کھجور کی ٹہنی کو تم ہلاؤ تو کھجوریں گر پڑیں گی

فَكُلِيْ وَ اشْرَبِيْ وَ قَرِّيْ عَيْنًا (مریم: 26)

کھجوریں کھانا، پانی پینا اور جب بچہ پیدا ہو جائے تو اس کو دیکھنا تو تمہارا غم ختم ہو جائے گا اور جب تم اس کو لے کر قوم کے پاس جاؤ گی اور قوم تم سے پوچھے گی تو تم کہہ دینا:

اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا (مریم: 26)

”میں نے تو رحمٰن کے لیے روزہ رکھا ہوا ہے“

اس دور کے روزے میں بولنے کا بھی روزہ ہوتا تھا۔ چنانچہ

فَأَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ (مریم:27)

’’بی بی مریم علیہا السلام قوم کے پاس اپنے بچے کو لے کر آئیں‘‘

اور لوگ کہنے لگے

يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا (مریم:27)

’’او مریم! یہ کیا طوفان چیز لے کر آ گئی؟‘‘

يٰٓأُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا (مریم:28) اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا تھا نہ تیری بہن بری تھی۔

اب یہاں پر ایک نکتہ مل رہا ہے کہ غلطیاں نوجوان کرتے ہیں اور طعنے بھائی کو، باپ کو اور ماں کو ملتے ہیں۔ وہ مریم کو کچھ نہیں کہہ رہے تھے کہ مریمؑ! تو یہ کیا کر بیٹھی۔ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ (مریم:28) بھائی کی بدنامی، مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ (مریم:28) والد کا نام لیا، والدہ کا نام لیا۔ اے نوجوانو! احتیاط کی زندگی گزارنا، کہیں اپنے بڑوں کی عزتوں کو پامال نہ کر بیٹھنا۔ ماں باپ زندگیاں گزار کر عزتیں کماتے ہیں اور بچے چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر عزتوں کو گنوا بیٹھتے ہیں۔ اب جب انہوں نے یہ بات کہی تو ان کے جواب میں بی بی مریم نے فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ (مریم:29) (بچے کی طرف اشارہ کر دیا) بعض لوگ کہنے لگے:

قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا (مریم:29) یہ بچہ جو گود میں ہے کیسے بول سکتا ہے؟

بہتان حضرت یوسفؑ پر بھی لگا، مگر ان کی گواہی کے لیے دو فقرے بولے گئے کہ اگر قمیص آگے سے پھٹا تو

اس کا گناہ اور اگر پیچھے سے پھٹا تو اس کا گناہ۔ بات ختم ہوگئی۔لیکن یہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بولتے ہیں اور بولے بھی کیسے کہ دو فقرے نہیں بولے ذرا غور کیجیے۔آ گے کیا ہوا؟

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ (مریم:30) فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں۔

اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا۝ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا۝ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَ یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا۝(مریم:30-33)

اتنی لمبی گواہی !مفسرین نے یہاں نکتہ لکھا کہ وہاں بھی گواہی دی مگر دو لفظ کی اور یہاں گواہی اتنی بڑی،انہوں نے فرمایا کہ وہاں بہتان ایک عورت نے لگایا تھا تو دو فقروں میں بات سمٹ گئی۔ یہاں بہتان قوم نے لگایا تھا،اللہ نے جواب میں بچے سے وعظ کروا دیا۔ یہاں چونکہ بہتان لگانے والی ایک پوری قوم تھی اس لیے اللہ نے دو فقروں میں بات نہیں سمیٹی،تو معلوم ہوا:

’’جیسی کرنی ویسی بھرنی‘‘

توجہ فرمائیے۔اب بڑا علمہ نکتہ ہے۔

☆ ابرہہ نے ہاتھیوں کا لشکر لیا اور بیت اللہ شریف کو گرانے کے لیے آ گیا۔اس نے ملکِ یمن میں اپنا ایک مرکز بنایا تھا۔وہ چاہتا تھا کہ دنیا اس کو مرکز بنا دے اور یہ جو مرکز (بیت اللہ) بنا ہوا تھا اس کو مٹا دے۔وہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر آ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پرندے آ گئے،جنہوں نے چھوٹی چھوٹی کنکریاں پھینکیں اور ان ہاتھیوں اور لوگوں کو کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا۔اب یہاں پر ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہاتھیوں کو پرندوں سے کیوں مروایا گیا؟ ہاتھی زمین میں بھی دھنسائے

جا سکتے تھے، بیماری بھی پیدا کی جا سکتی تھی، آگ بھی برسائی جا سکتی تھی، مگر نہیں، اللہ تعالیٰ نے پرندوں کو استعمال فرمایا۔

یہاں پر مفسرین نے ایک عجیب نکتہ لکھا کہ پرندوں کو کیوں استعمال فرمایا؟ اب اس کی عام وجہ جو مفسرین نے لکھی: وہ تو یہ ہے کہ بھئی! یہ اپنی طرف سے ہاتھیوں کو لے کر آیا جو جانوروں میں سب سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے۔تو جب وہ سب سے زیادہ طاقت والے جانوروں کو لے کر آیا تو اللہ تعالیٰ اس کے مقابلے میں پرندوں کو لے آتے ہیں جو طاقت میں انتہائی کمزور ہیں اور ان کا حشر تجھ کو دکھا دیتے ہیں، یہ بھی طاقت کا جواب ہے۔

مگر مفسرین نے ایک عجیب جواب لکھا جو اس مضمون کے متعلق ہے۔ وہ کیا کہ جیسا عمل ویسا ردعمل

”جیسی کرنی ویسی بھرنی“

محققین نے یہ بات لکھی ہے: وہ فرماتے ہیں کہ ابرہہ چلا کس نیت سے تھا؟ وہ چلا اس نیت سے تھا کہ عزت والے گھر بیت اللہ کو گرا دوں اور اپنا گھر جس کی عزت نہیں اس کو عزتوں والا بنا دوں ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ترتیب کو الٹ کرنے چلا تھا کہ عزت والے گھر کو مٹا دوں گا اور جس کی عزت نہیں اس کو عزت دلاؤں گا۔ جب ابرہہ اس نیت سے چل کر آیا تو رب کریم نے بھی ترتیب الٹ کر دی کہ میرے بندو! عام دستور یہی ہے کہ تم صیاد (شکاری) بنتے ہو اور پرندے تمہارا شکار ہوا کرتے ہیں۔تم نیت بدل کر آرہے ہو، ترتیب بدل کر آرہے ہو، ہم بھی ترتیب بدل کر دکھا دیتے ہیں۔آج تم شکار بنو گے اور پرندے صیاد ہوں گے، وہ اوپر سے کنکریاں پھینکیں گے، میں ان کے ذریعے سے تمہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح بنا دوں گا۔

حاصلِ کلام:

تو اگر ہمارے دلوں میں اللہ کی ذات کا پکا یقین آجائے تو ہمیں زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ عزتیں عطا فرمائیں گے اور آخرت میں بھی عزتیں عطا فرمائیں گے۔اب اس یقین کو سیکھنے کے لیے دعوت وتبلیغ کے نام سے ایک محنت ہو رہی ہے۔الحمد للہ پوری دنیا میں ہو رہی ہے اور اسمیں یہ بات سکھائی جاتی ہے کہ ذرا اپنے گھروں سے نکلو،اسباب کے ماحول سے ذرا باہر نکلو اور اللہ کے راستے میں قدم اٹھاؤ تو تمہیں اللہ کی مدد کی سمجھ آجائے گی،تمہیں اللہ کے ساتھ ایمان اور تعلق کی سمجھ آجائے گی۔تو واقعی انسان کا ایمان یقین بڑھتا ہے اور انسان کو زندگی کا صحیح راستہ نظر آجاتا ہے۔اب اس راستے کو سیکھنے کے لیے آپ حضرات ارادہ فرمالیں،آپ حضرات اس کے مطابق اپنے اوقات کو فارغ کیجیے اور اس یقین کو سیکھنے کی کوشش کریں۔اللہ تعالیٰ ہمیں یقین بھری زندگی نصیب فرمائے۔(آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ